جملہ حقوق محفوظ

نہ ہوائے دشت تھی جانفزا نہ فضا باغ تھی دل کشا
جسے ڈھونڈتا تھا مریض غم وہ سکون زیر مزار تھا

نغمات موت

مصنفہ

محترمہ مس حجاب اسماعیل (مدراس)

۱۹۳۲ء

بار اول
محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپی
قیمت ۶/

T.T.F LIBRARY
No: 106

Taj Tahir Foundation

جملہ حقوق محفوظ

نہ ہوائے دشت تھی جانفزا نہ فضائے باغ تھی دل کشا
جسے ڈھونڈتا تھا مریضِ غم وہ سکون زیرِ مزار تھا

نغمات موت

مصنفہ

محترمہ مس حجاب اسماعیل (مدراس)

T.T.F LIBRARY
No: 106
Taj Tahir Foundation

۱۹۳۲ء

بار اول — محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپی — قیمت ۸ر

انتساب

اس مجموعہ کو میں اپنے والد محترم

جناب مولوی سید محمد اسمٰعیل صاحب

کے نام سے معنون کرتی ہوں

حجاب

Taj Tahir Foundation

فہرست

	دیباچہ	۴
	نظم	
۱	روحانی بات چیت	۱۳
۲	تمہاری نیند	۱۸
۳	تمہارا کمرہ	۲۱
۴	افسانوی رات	۲۳
۵	تمہاری آواز	۲۷
۶	دراز ہونیوالے سائے	۲۸
۷	نئی دُنیا	۲۹
۸	کھوئی ہوئی روح	۳۲
۹	باسی چاند	۳۳
۱۰	آرزو	۳۵
۱۱	خوبصورت راستہ	۳۶
۱۲	یاد	۳۹
۱۳	دیباچہ دل	۴۲
۱۴	اداسی	۴۸
۱۵	درخت	۴۹
۱۶	بہار کی رات صہ ۵۲ ۱۷ میری روح	۵۴
۱۸	یادگار رفتگان ۔	۵۵

Taj Tahir Foundation

دیباچہ

از جناب عبدالحمید حسن صاحب بی۔اے۔ایل ایل بی (علیگ) مدراس

یہ فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ اوائل عمر کے مختلف واقعات میں سے صرف وہ حسرت ناک اور جان گداز باتیں یاد رہجاتی ہیں جن سے کبھی دل کو صدمہ پونچا تھا اور جن کی یاد ہمیشہ آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی ہے خوشی کی گھڑیاں باد نسیم کے جھونکوں کی طرح آتی ہیں خوش کرتی ہیں اور گذر جاتی ہیں۔ لیکن جان گداز واقعات کی یاد ہمیشہ غم کو تازہ کرتی رہتی ہے گو غم کو غلط کرنے کی لاکھ کوشش کی جائے مگر پھر بھی اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

قضا و قدر کے مسئلہ نے مسلمانوں میں ایک عجیب انقلاب پیدا کر رکھا ہے۔ علمائے اسلام نے اس مسئلہ پر عجیب اور دلکش پیرایہ میں بحثیں کی ہیں۔ مولانا رومؒ جو صرف شاعر بلند خیال ہی نہیں تھے بلکہ اعلٰے درجہ کے حکیم فیلسوف تھے فرماتے ہیں۔ ع

گفت پیغمبر بآواز بلند   بر توکل زانوئے اُشتر بہ بند

مگر مسلمانوں نے بدقسمتی سے اس مسئلہ پر کافی غور نہیں کیا اپنے آپ کو مجبور محض تصور کرلیا۔ اس طرح ہمارے عدم تدبر اور غور و فکر کی کمی سے قضا و قدر کا نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا روحانی مسئلہ جس سے

Taj Tahir Foundation

ہم میں قوت عمل پیدا ہونی چاہیے تھی بدنام ہو گیا اس کمبخت مسئلہ کی وجہ سے مسلمانوں کے کارناموں اور اخلاقی دائروں میں زمانہ ناہنجار اور فلک کج رفتار کو خوب جی بھر کر کوسا گیا ہے لیکن اُن لوگوں نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے جنھوں نے شعرا کو مشورہ دیا ہے کہ وہ آئندہ زمانے اور فلک جفا کار کو بُرا بھلا کہنے کے معتذر رہیں۔

کسی نے کسی سے پوچھا "قیامت کس دن آئے گی"؟ اُس نے جواب دیا۔" قیامت صغرا تو اُس دن آئے گی جس دن تم مروگے اور قیامت کبریٰ اُس دن ہوگی جب ہم مرینگے" لیکن عزیزی آنسہ (مس) حجاب اسمٰعیل سلمہا کے لئے انکی پیاری والدہ ماجدہ محترمہ عباسی بیگم صاحبہ کا انتقال پر ملال چار سال بیشتر قیامت کبریٰ سے کم نہ تھا۔ انکی والدہ ماجدہ نے جب گور میں اپنا منہ چھپا لیا تو آنسہ حجاب کی نہ وہ اگلی سی رونق رہی اور نہ وہ پرانی بزم آرائیاں نہ اگلی سی چہل پہل رہی اور نہ سابق سی زندہ دلی۔ اب خدا کے فضل سے انکے شباب کا زمانہ ہے لیکن تین سال تک اُنھوں نے اپنی پیاری ماں کا سوگ کیا سیاہ پوش اور افسردہ خاطر رہیں۔ مغموم باپ نے اپنی دختر نیک اختر کو سیر و سیاحت میں مشغول رکھکر انکا غم غلط کرنے کی لاکھ کوشش کی لیکن عزیزی حجاب کا غم و الم بے نقاب ہی رہا۔ کیونکہ وہ اس بات سے بیخبر تھیں۔

کوچ ہے درپیش سب کو ہو گدا یا بادشاہ
آگیا اس گھر میں جو دو روز مہماں رہ گیا

Taj Tahir Foundation

دیباچہ

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ دنیا دو روزہ ہے۔ موت جس وقت آجائے تو بس زندگی تمام ہوگئی۔ مگر انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ کسی کی جانگداز موت کے بعد موت کو بھول کر پھر دنیوی لذتوں کا انسان گردیدہ ہو جاتا ہے لیکن عزیزی حجاب کے لئے اپنی پیاری ماں کی موت کوئی معمولی بات نہ تھی جو ایک عرصہ کے بعد آسانی سے فراموش ہو جاتی۔ انکی ماں کی موت کا واقعہ انکے دل میں ہمیشہ تر و تازہ رہے گا۔ دنیا کے سبزہ زاروں اور موسم بہار کی شگفتہ کاریوں نے انکے مغموم اور افسردہ دل مسرور نہیں کیا۔ سرو قد جوانان چمن کا نظارہ خوشنما غنچوں کا تبسم ناز اور پھولوں کے فرط شوق نے اوروں کو تو بیحد ہنسایا۔ لیکن عزیزی حجاب کو آٹھ آٹھ آنسو رُلا دیا ؎

عشق کا ہو درد آئے ناسخ نہ کیونکر لا دوا
زخم ہائے تیر مژگاں کا نشاں ملتا نہیں

اس طرح عزیزی حجاب نے یہ پورے چار سال غم والم میں ہی گزارے "نغمات موت" انکے غم والم کی کہانی ہے۔ کسی بدنصیب کے منہ سے نکلا ہوا شعر ضرب المثل ہوگیا ہے ؎

کون سنتا ہے کہانی میری   اور پھر وہ بھی زبانی میری

لیکن مس حجاب کا "نغمات موت" انکے غم کی کہانی اور انکے منہ کے زبانی اور انکے کلک گوہر بار کی دُر فشانی ہے۔ اس کو درد کے ساتھ ہر کس و ناکس پڑھے گا اور دلچسپی سے پڑھے گا۔ جب تک وہ ختم نہ ہوگا قارئین کو

Taj Tahir Foundation

ہرگز چین نہ آئیگا ؎

ہنس ہی دیں وہ مرے پھولوں میں روئیں نہ سہی
تازگی کچھ تو مری مجلس ماتم میں رہے

اے ہمسفیران ملک وجود تم نے اپنی زندگی میں رنج والم کا مزہ ضرور چکھا ہوگا۔ اس دنیا کے ناپائیدار کمیں تمہیں اور چند دن اقامت کرنا ہے تمہیں اپنے مستقبل کا کیا حال معلوم ہے؟ تمہیں کیا خبر ہے کہ تمہاری باقی ماندہ عمر کس طرح گذرے گی؟ جو لوگ اپنی زندگی کو ختم کرکے دردمند دل لئے ہوئے قبروں میں جاگزیں ہیں وہ اپنی پوری زندگی کے حالات سے بخوبی واقف ہیں انھوں نے جان دیکر یہی تو ایک تجربہ حاصل کیا ہے انھوں نے مدتوں تک دنیا میں ٹھوکریں کھائیں. مصائب جھیلے اور اب قبر کی بےفکری میں اگر انھیں کبھی کبھی دنیا یاد آجاتی ہو اور ضرور یاد آتی ہوگی تو گھڑی گھڑی اور روز بروز کے رنج والم کا نقشہ انکی آنکھوں کے روبرو پھر جاتا ہوگا۔

دنیا میں دو چیزیں ہیں راحت اور رنج۔ رنج و راحت کی روزانہ کشمکش بھی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے. کیا غم بالکل ہی بری چیز ہے؟ سچ تو یہ ہے یہ ساری خوشی رنج ہی کی بدولت حاصل ہوتی ہے جس روز دنیا سے رنج اٹھ جائے اس روز خوشی کا بھی خاتمہ ہو جائے یہ دونوں توام بہنیں ہیں فطرت کا یہ دستور العمل ہے کہ کسی چیز کے ہونیکی جب ہی آرزو ہوتی ہے جب اسکے نہ ہونے کا کھٹکا ہوتا ہے دوست کی ملاقات کا صرف اس وقت مزہ آتا ہے جبکہ برسوں کی

Taj Tahir Foundation

وعدہ خلافیوں سے جاں لب پر آ رہی ہو صبح وطن جب ہی خوش نما معلوم ہوتی ہے جب سالہا سال شام غربت میں گزاری ہو۔ جہاں دیکھو وہی خوشی لطف دکھاتی ہے جو رنج کے بعد حاصل ہوتی ہے جن لوگوں نے اپنا بچپن نازو نعمت میں کاٹا ہو وہ کیا جانیں کہ سچی راحت میں کیا مزہ ہے پھر مزہ تو اُن لوگوں سے پوچھا جائے جن کی زندگی مصیبت اور بلاکشی میں گزری ہو۔ رنج رنج ہے تو خوشی خوشی۔ رنج کے بعد خوشی اور خوشی کے بعد رنج۔ دنیا کا یہی غیر مبدّل سلسلہ ہے۔ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ آدمی کبھی خوشی میں رنج کو نہ بھولے اور رنج میں خوشی سے مایوس نہ ہو۔ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے برابر کے جواب ہیں ؎

خاکِ رنج و غم اندوہ سے آباد ہو دل
ہیں یہ سب خانہ خرابی کے گھرانے والے

غم جدائی کو ہم جانیں یا خدا جانے
بلاکشوں پہ جو گزرے تیری بلا جانے

آنسہ حجاب کا نغمہ موت۔ انکی پیاری ماں کے مزار کا ہدیہ انکے دلی خیالات کا مرقع اور انکی دل شکستگیوں کا آئینہ ہے جو مبالغہ کی قید سے بالکل آزاد ہے۔ یعنی یہ کہ وہ صحیح اور نیچرل جذبات کا ایک دفتر ہے جو اس شعر کے معنوں کو خاطر نشیں کر رہا ہے ؎

نہ اس پہلو میں ہے کوئی نہ اُس پہلو میں آئی ذوقت
ادہر دیکھو اُدہر خالی اودھر دیکھو ادھر خالی

"نغمات موت" پر دیباچہ لکھنے کے لیے اتنی لمبی تمہید کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن جب میں اس غیر معمولی نغمات سے متاثر ہوا تو لب پر یہ شعر جاری ہوگیا ؎

شاد دل غم میں رہے عید محرم میں رہے
کچھ سپیدی بھی مرے جامہ ماتم میں رہے

حجاب مبہم تین سال جامہ ماتم میں رہیں۔ سیاہ پوش رہیں اور جس طرح "روحانی بات چیت" میں مصنفہ نے اپنے دل کے آئینہ کی جھلک بتائی ہے اور اپنی ماں کی روح سے اپنے لیے اپنی بیچاری بہن اور مغموم باپ کے لیے تسلی چاہی ہے وہ ضرور سخت سے سخت دل کو بھی کپکپانے والی اس کے علاوہ "تمہاری نیند" پڑھنے والوں کو ضرور بیتاب و بیقرار کرنے والی ہے۔ "تمہارا کمرہ" خوب رلایا ہے اور خوب رلائیگا۔ "افسانوی رات" بیش بہا تخیلات ہیں "تمہاری آواز" اگرچہ کبھی نہ سنائی دیگی لیکن اس کا نغمہ دل کو تڑپا دے گا "نئی دنیا" سے دوست کے واپس نہ آنے پر نوحہ گری ہے کاش! کھوئی ہوئی روح پھر ہاتھ آجاتی اور موسم بہار انہیں تنہائی اور سوگواری میں گزارنا نہ پڑتا۔ سولویں تاریخ کا چاند دیکھ کر "باسی چاند" کی نغمہ سنجی بیحد دلچسپ ہے۔

"پرانے چاند" اے باسی چاند" مجھے تیری زرد اور پژمردہ صورت سے محبت ہے۔ کیونکہ تیرا اداس چہرہ دیکھ کر مجھے اپنی اداس زندگی یاد آتی ہے۔"

دیباچہ

آرزوئیں تمام آرزوؤں کا مجموعہ ہے"۔ خوبصورت راستہ" نہایت دلگیر ہے۔ کاش وہ صراط مستقیم ہوتا اور "دیباچہ دل" کے جذبات دل ہی دل میں رہے، دیباچہ دل نے واقعی غضب کردیا ہے "بہار کی رات" خیال اور افسانہ نہیں ہے "یاد" اور "اوداسی" نے پھر مغموم اور مضمحل کردیا حجاب اسمٰعیل کی رنگین عبارت بیحد مقبول ہو چکی ہے۔ عبارت صرف رنگین ہی نہیں۔ بلکہ خیالات بھی بلند ہیں اس لئے انکے مضامین کو پڑھنے میں دوگونہ لطف آتا ہے بقول خواجہ حسن نظامی۔

مس حجاب اسمٰعیل کی تحریریں نہایت بلند خیالی اور فلسفیانہ استدلال اور ایک مخفی اثر ہوتا ہے اردو زبان میں انھوں نے ایک خاص مہارت اور ترقی حاصل کی ہے ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خیالات پر حکومت کرتی ہیں یعنی وہ جس پیرایہ اور جس پہلو سے اپنا خیال ظاہر کرنا چاہتی ہیں ظاہر کرسکتی ہیں مجھے فخر ہے کہ میری قوم میں ایسی لائق اور ہونہار لڑکیاں موجود ہیں۔

مس حجاب کے اردو مضامین مقبول عام ہو چکے ہیں اور تمام رسائل اور اخبارات انکے مضامین کی عین خواہش اور قدر کرتے ہیں اور ان کی انگریزی دانی مشہور رہے۔

میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ نغمات موت"۔ نہایت ہر دل عزیز اور بیحد مقبول عام کتاب ہوگی۔ اور جن لوگوں نے حجاب اسمٰعیل کا نام

سنا ہے اور ان کے مضامین پڑھے ہیں وہ اس بے نظیر مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لے لینگے۔ اور دوسرے ایڈیشن کی ضرورت فوراً لاحق ہوگی اس بات سے کون واقف نہیں ہے کہ اُن کے قدر دانوں کی تعداد کثیر ہے اور امید کامل ہے کہ اس میں اور اضافہ ہوگا۔

نغمات موت" مزے سے اور دلچپی سے پڑھنے کے قابل کتاب ہے اور انشاء اللہ اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں بھی جلد شایع ہو جائیگا۔

عبد الحمید حسن

مدراس ۔ ۲۹ر جنوری ۱۹۳۲ء

Taj Tahir Foundation

نغمات موت

نظم

تمہیں جدا ہوئے مجھسے گذر چلے چند سال — مگر نہ ہو سکا اتبک کچھ انکشاف حال
بتاؤ، زیرِ زمین کس طرح گذرتی ہے؟ — افاقہ درد دروں نہیں ہے یادہی احوال
وہ اضطراب وہ بےچینیاں مٹیں کہ نہیں؟ — کہ جنسے بیٹھنا اُٹھنا بھی ہوگیا تھا محال
یہ قاعدہ ہے کہ مُردے کو بھول جاتے ہیں — تمہاری یاد میں دل کو ہے مرے استقلال
نہ اب وہ میں ہوں نہ خوش مزاج دل نہ وہ بات — نہ اب وہ طبع ہی حاضر رہی نہ وہ اشغال
مصیبتوں نے الم نے بدل دیئے سب طور — فلک نے گردش ایام کا جتا دیا حال
جہانتک اپنی رسائی تھی ہم نے ڈھونڈ لیا — مگر تمہاری محبت کی مل سکی نہ مثال
ہے ہر گھڑی دل غمدیدہ اور تمہارا خیال — کہ زندگی ہمیں دو دن کی ہوگئی ہے وبال
خدا گواہ خوش آتی نہیں ہے کوئی بات — سدھاریں گھر سے جو تم اپنے گھر یہ آیا زوال
تمہاری مشکلیں آسان موت نے کر دیں — مجھے پھنسائے ہوئے ہے یہ زندگی کا جال

اجل نے پاک کیا جب سے تیرا دامن زیست
ہنیں تمیز گریبان و آستیں مجھکو!

(مرحومہ منجھو بیگم لکھنوی)

رُوحانی بات چیت

(اشعارِ منثور)

آہ — آسمان حیات سے تمہاری زندگی کے چمکیلے ستارے کو فرشتۂ موت کی بے رحم انگلیوں نے توڑ لیا!

اللہ! یہ ماہی گیر بھی کیسے ظالم ہوتے ہیں، کہ سمندر کے سبز پانیوں سے نوجوان مچھلیوں کو علیحدہ کر لیتے ہیں!

لوگوں کو کیتکی کے پودوں پر سے عاشق مزاج بھونروں کو ہٹا دینے میں کیا لذت ملتی ہے —

اور طوفانی سیاہ بادل چمکیلے ہلال کو اپنے آغوشِ ظلمت میں لے کر کونسا سرور حاصل کرتے ہونگے؟

تر و تازہ گلاب کو مرجھا کر خزاں کے ہٹیلے جھونکوں کو کیا لطف ملتا ہوگا؟

صبح سویرے جب میں اپنی کھڑکی کھول کر ہارسنگھار کے درخت کو دیکھتی ہوں اور کسی بلبل کو اس پر گاتا ہوا نہیں پاتی۔

اور پھر جب دوپہر کے دراز ہونے والے تناور درختوں کے سایوں سے گذر کر جنگل میں جاتی ہوں اور وہاں بانس کے سربلند درختوں پر دوپہر کی ہواؤں کے ساتھ طوطوں کا بے فکر سُریلا شور نہیں سنتی۔

اور جب سر شام گاؤں سے گذرنیوالے فوجی افسروں کی بیوگل کی آواز میں کوئی فرحت افزا سرور محسوس نہیں کرتی۔

تو مجھے یقین ہو جاتا ہے۔ آہ یقین ہو جاتا ہے کہ اب تم اس دنیا میں نہیں۔ رہیں، مصائب و آلام سے لبریز دنیا میں نہیں رہیں۔ ہاں جیسا لوگوں نے مجھ سے کہا ہے، وہ سچ ہے کہ تمہارا جہاز حیات موت کے سیاہ گرداب میں غرق ہو گیا —— آہ!

میں جانتی ہوں کہ تمکو سمندر کے نیل گوں پانیوں اور سفید موجوں سے عشق شدید تھا۔

خوب صورت دھوپ اور نرم چاندنی تمہیں روحانی سرور دیتی تھی۔ شاعر کے گیت اور فاختاؤں اور بلبلوں کی آشنائے درد اور واقف کار حسیات عشق صدائیں، تمہیں بے خود بنا دیا کرتی تھیں۔ غروب و طلوع کے ہوش ربا نظارے تمہیں وارفتہ کر دیتے تھے۔

آہ تم میرے لئے بجائے اک "ماں" کی مقدس اور بزرگانہ ہستی کے بچپن کی رفیق، اور نو عمر بے تکلف ساتھ کی کھیلی سہیلی تھیں۔ اور ہر موضوع پر آزادانہ دلبرانہ انداز میں بحث اور گفتگو کیا کرتی تھیں۔

میں جانتی ہوں کہ تم دنیا کی ماؤں میں بالکل نرالی ماں تھیں۔ کیونکہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ "ماں" معمر بزرگ رعب دار اور جھریاں پڑے ہوئے چہرے والی ہوتی ہے، مگر برعکس اس کے میں دیکھتی تھی کہ تمہارا چہرہ ان جھریوں سے معرا تھا۔ تم ایک نوجوان، خوبصورت محبت شعار نازک اندام

ہیلی تھیں تم کو "ماں" کون سمجھتا تھا؟

کیا کسی "ماں" میں ایسے اوصاف ہوتے ہیں؟

آہ! کیا خلیج بنگالہ کی سفید چمکیلی ریت پر تمہارے مقدس قدموں کے نشانات اب کبھی منقش نہیں ہونگے؟۔

اور کیا تمہارے اس بیچارے خوبصورت سے چیتے "گتے رنگیں" کی سفید اور مظلوم گردن پر تمہارا ہاتھ محبت کے انداز میں اب نہیں رکھا جائیگا؟ جس کو زندگی میں تم اس درجہ پیار کیا کرتی تھیں؟

اور کیا ان مصائب لامتناہی میں تم میری بیچاری بہن کو پیام تسلی نہیں بھیجوگی؟ جسے تمہاری ستم انگیز جدائی نے نڈھال کر دیا ہے؟

اور اپنے قابل رحم شوہر سے اظہار ہمدردی نہیں کروگی جنھیں تمہاری رفاقت کے چھوٹنے نے زندگی سے بیزار کر دیا ہے؟ ؎

وہ ولولہ وہ شوق وہ ہمت نہیں رہی

وہ دل نہیں رہا وہ طبیعت نہیں رہی

اب بھی جبکہ تم کثیف سے مجسم لطیف بنکر دوسری دنیا میں چلی گئیں تھیں، یاد ہوگا کہ ایک دفعہ ساحل خلیج بنگالہ پر کسی بات پر جل کر میں نے کہا تھا کہ محبت کو دنیا کے لٹریچر ہی سے نکال پھینکو تو اے مری رفیق! تم نے کس فاضلانہ متانت اور شاعرانہ سنجیدگی سے مری اس ناتجربہ کار تیز مزاجی کو شعریت میں ڈبو دیا تھا!۔

آہ کیسی اچھی ناصح تھیں تم!!

Taj Tahir Foundation

وسیع دریچوں کے آگے برسنے والی شاعرانہ خوبصورتی کی تم شیدا تھیں! اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ کسی شاداب دریچے میں تم نے اپنی نامکمل نظم کے چند بند لکھ دیئے، اور کہیں چلی گیں، اور میں دریچے میں پہونچی، اور تمہاری بلا اجازت تمہاری نظم کو مکمل کر کے رکھدیا۔

تم مسکرائیں اور چپ رہیں ——— آہ کیسی اچھی داد خواہ تھیں تم!!

میں کوئی ناتمام افسانہ لکھتی اور تم فوراً اُس کو مکمل کر دیتیں ——— آہ کیسی اچھی مدیرہ تھیں تم!

ہم دونوں کی ہمخیالیوں نے ہم دونوں کو بالکل اک بنا دیا تھا!

اللہ - ! آخر حُسن کو عشق سے جُدا کر کے نیچر کو کیا مل گیا؟ آخر اب بھی تو تم نے اپنی ادبیات کو نامکمل چھوڑ دیا ہے! کیا تم اجازت دوگی کہ میں تمہارے نامکمل ناولوں کو مکمل کر دوں؟ اور تمہیں یاد ہوگا کہ نامکمل کو مکمل کر دینا تمہاری زندگی میں - ہم دونوں کا اک دلچسپ علمی کھیل تھا۔

آہ کیسی اچھی جلیس تھیں تم!

زندگی کی دشوار گذار وادیوں اور حیات کی ناہموار گھاٹیوں میں ہم دونوں اپنی ہم مذاقی رفاقت، اور ہمخیالی کے چراغ کے سایہ میں آزادی سے قدم اُٹھاتے چلے جا رہے تھے

آہ کیسی اچھی رہبر تھیں تم!

اللہ، آخر شگفتہ کنول کو تالاب کے شفاف پانیوں سے جُدا کر کے کملاتے ہوئے دیکھنے میں لوگوں کو کیا ثواب ملتا ہوگا۔

Taj Tahir Foundation

آہ! کیا اب یہ خوبصورت مناظر، یہ لاانتہا نیلے سمندر کا مدوجزر، یہ آنکھوں کو چوندھیا دینے والے طلوع و غروب کے سُرخ نظارے، شاعروں کے دل کش گیت۔ اے ماں کی پیاری روح!! تمہیں مسخر کر کے عالم ارواح سے یہاں کھینچ لانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے؟ جہاں ——— اک سُرخ گلاب کی پنکھڑیاں منتشر ہو گئی ہیں۔ اور راگ الاپنے والی بلبل موت کا نغمہ چیختی ہوئی قبرستان کی طرف اُڑ گئی ہے۔

آہ ——— گویا یہ میری رہبر تھی۔

میں نے دیکھا، کہ یہ موسم گل کی قدردان شعریت سے معمور چڑیا اب یوم خزاں میں سرو کے سنسان درخت پر بیٹھی معرفت الٰہی کا راگ الاپنے والے مہجور پرند "فاختہ" کی رفاقت کر رہی تھی اور اس کے سامنے سنگ مرمر کی اک چھوٹی سی خوبصورت دیوار کھڑی تھی جس پر کندہ تھا

آہ ——— عباسی بیگم

Taj Tahir Foundation

تمہاری نیند

(اشعار منثورہ)

تمہاری بھی کیسی گہری نیند ہے!

کہ میرے بارہا اٹھانے پر بھی بیدار نہیں ہوتیں!

میں سوچتی ہوں کہ تم رات بھر کی تھکی ماندی ہو۔

بیماری کی طویل تکالیف کی ستائی ہوئی ہو۔

اسی لئے سو گئی ہو گی!

بیداری کی طویل بے چینیوں اور بگڑی ہوئی صحت کی پریشانیوں

نے تمہیں ماندہ کر دیا ہے۔

اسی لئے سو گئی ہو گی۔

لیکن مارچ کی گرم گرم دوپہر میں تم کبھی سو رہی ہوتیں اور

میں تمہارے کمرے میں پہونچکر اک آدھ عمر خیام کا شعر گنگناتی ——

یا باغ کا دروازہ کھول دیتی اور بلبل کی میٹھی نغمہ سرائی

کمرے کی تنہائیوں میں گونجنے لگتی؛

تو تم چونک پڑتیں ——

میری ذراسی شوخی تمہیں چونکا دیتی —— اور تم جاگ اٹھتی تھیں

میری شرارت تمہیں کبھی ناراض نہیں کرتی تھی!

Taj Tahir Foundation

بہار کی پرسکون خوبصورت رات میں، جب جنوب کی نرم اور سنواری ہوئی ہوائیں باغ کے انجیر اور بادام کے درختوں سے سُریلی باتیں کر رہی ہوتی تھیں تو تم گھنٹوں بیدار رہتی تھیں۔

تمہاری خواب گاہ کے کھلے ہوتے دریچے کے قریب سے تیز اُڑنے والے سیاہ بھونرے تیزی سے گذرتے تھے تو تم انکے موسیقی آمیز پروں کی بھنبھناہٹ سے پہروں سو نہ سکتی تھیں۔ نیل گوں آسماں کے سُنہرے سنہرے تارے تمہیں اپنے صدیاں قبل کے افسانے سُنا سُنا کر سُلانا چاہتے تھے، مگر تمہیں نیند نہ آتی تھی۔

اب تمہاری کیسی گہری نیند ہے!

مجھے پچھلے سالوں کی پُرلطف کہانی یاد ہے کہ ایک ایسی ہی پُر سکون رات میں تم اپنے خوبصورت مکان "پاسں" میں محض اس لئے سو نہ سکی تھیں کہ دریچہ کھلا ہوا تھا۔ اور رات کی خاموشیوں میں سمندری امواج کی صدائیں برابر سُنائی دے رہی تھیں۔

کبھی ملاحوں کے گیت؛
کبھی ماہی گیروں کی چیخیں؛
بندرگاہ کی روشنیاں ؛

اور کبھی کبھی نیلگون محدود سمندر میں خوبصورت جہاز سفید بادبان لئے ہوئے جاتے نظر آتے تھے۔

تم نے ساری رات جاگتے ہی گذاری

برسات کی پُر بہار، اور شورش انگیز اندھیری، صبح میں، تم اپنے نیلگوں ریشمی لباس میں، باغ کی روشوں پر چلی جاتیں۔ اور کسی شعر کے سوچنے میں محو ہو جاتی تھیں،

تمہیں اپنے باغ "پامس" کی خوشگوار ہواؤں میں پورا پورا دن شعر سوچنے میں گذار دینا بہت پسند تھا۔

مگر آہ، اب 'پامس' اجڑ گیا، مدت ہو گئی، میں نے اس گھر کو نہیں دیکھا

آہ! تمہاری نیند غضب کی نیند ہے اب
وہ بے حسّی ہے مسلط کہ ہو گئے لاچار
عبث ہے تم سے شکایت فضول تم سے ملال
ہو مُشت خاک فقط تم میں کچھ نہیں باقی
قضا نے بند سب اعضا کے کردیئے افعال

Taj Tahir Foundation

تمہارا کمرہ

(اشعارِ منثور)

تمہاری موت کے بعد تمہارے کمرے میں گئی
وہاں موت کی سی خاموشی برس رہی تھی!

مرا دل دھڑک دھڑک کر ٹھیر رہا تھا اور ٹھیر ٹھیر کر دھڑک رہا تھا۔

قدآدم آئینہ کے پیچھے کسی قدر تاریکی میں، وہ چھوٹی سی کرسی کھڑکی کے آگے پڑی تھی۔ جس پر بیٹھکر تم اپنی زندگی میں رات کے سنسان وقت گھنٹوں تاروں کو تکا کرتی تھیں — یہ تمہارا محبوب مشغلہ تھا۔

رات گرم اور نہایت سنسان تھی۔ ایسی تاریک رات، کہ جس میں نہ چاند چمکتا تھا، نہ کسی قسم کی روشنی ہی تھی — لیکن وہ صرف تیری بدقسمت روح کی بیکس آنکھیں تھیں، جو تمہارے تصور کے روشن عکس کو پیار کر رہی تھیں — ! یہی ایک روشنی تھی۔

مشرقی ممالک کی یہ ایک نہایت گرم، بہت اداس، بیحد پریشان رات تھی، ان الم انگیز ساعتوں میں نہ بلبل ہی گاتی تھی، نہ دریچے کے قریب کوئی بھونرا ہی اپنی بین بجاتا تھا۔

ہر طرف سناٹا تھا۔ لیکن وہ صرف مری غمگین روح کی بیکس آواز تھی۔ — جو تمہارے دائمی فراق پر رو رہی تھی — یہی اک آواز تھی!

میں کھڑکی کے پاس تمہاری کرسی پر بیٹھ گئی۔

کہکشاں کے ننھے ننھے تارے کسی شکستہ ہار کے موتیوں کی طرح نیلگوں آسمان پر بکھر گئے تھے۔

او مالک! کیسی سنسان اور تنہا رات تھی! آسمان سے اک پُر جلال وحشت اور یاس انگیز دہشت برس رہی تھی اور ویران دریائی راستوں سے سمندری چڑیا کی دردناک چیخ سُنائی دے رہی تھی جیسے آسمانوں پر موت کا فرشتہ ارغنون بجا رہا ہو۔

اگرچہ آج اس رات کو گذرے پورا اک سال گذر رہا ہے۔ لیکن اس ماوقت کی اُداسی اور تنہائی مجھے مدت العمر یاد رہے گی۔

وہ یہ گھر ہو گیا کچھ اس طرح تاراج یاس
اب نہیں باقی رہا نام و نشانِ آرزو

Taj Tahir Foundation

افسانوی رات

(تخیلات)

اگرچہ اُن راتوں کو گذرے اک مدت ہونے آئی ہے۔ مگر مجھے وہ وقت اور وہ آسمان اب تک نہیں بھولا!

خاص پرستش گاہ کے اردگرد ریشمی لمبے لمبے پردے کھنچے ہوئے ہوتے تھے۔ عودانوں میں عبیر عود جلایا جاتا تھا لمبی لمبی تسبیحیاں لٹکتی رہتی تھیں۔ بغداد کی بنی ہوئی خوش رنگ صندل کی چوکیوں پر مقدس اور خوبصورت جلد کی موٹی موٹی مذہبی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ مومی شمعیں۔ دیواروں کی محرابوں میں روشن رہا کرتی تھیں۔

گرمیوں کے دن تھے۔ دریچوں سے ہارسنگھار کے پھولوں کی خوشبو آیا کرتی تھی۔ اور رات بھر پپیہا باغ کے درخت پر بیٹھا اپنا راگ الاپا کرتا تھا۔ آہ او یاد ایام ـــــ! ـــــ!

انہیں راتوں میں اک رات میں ذرا پہلے سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ دن بھر کی عبادت ریاضت اور گرم موسم کے آتشی جھونکوں نے مجھے تھکا دیا تھا۔ بستر پر لیٹی ہی تھی کہ نیند آگئی۔

اس طرح جیسے خواب میں کوئی فرشتہ آواز دے رہا ہو مجھے محسوس ہوا کہ کوئی مرا نام بے کر پکار رہا ہے۔

میں جاگ اٹھی۔

میں بچپن ہی سے پریوں کی کہانیاں پڑھنے کی شوقین! اس پر مستنزاد تنہائی! میں تنہائی میں بعض اوقات متوحش ہو جایا کرتی ہوں۔ اُس وقت بھی کچھ ڈر سی گئی۔ کمرہ تاریک پڑا تھا۔ دریچے کھلے ہوئے تھے۔ رات گرم اور اداس تھی۔ آہ وہ رات بھی کس غضب کی رات تھی!! —

آہ — وہ رات، بھی کس غضب کی رات تھی۔ اُف کس غضب کی رات!!!

آہ —، وہ رات، وہ افسانوی رات!! آج اس کو گذرے ایک مدت ہونے آئی ہے۔ پر اس کا خیال آج بھی — آج اتنے سالوں بعد بھی — مری روح کو، مری خواب و افسانے کی عاشق روح کو آمادہ تبسم کر رہا ہے۔

اُس پر اسرار شب کی اداسیوں میں مشرقی گرم ممالک کی عاشق مزاج خوش گلو بلبل گیت گا رہی تھی۔ باغ میں چاندنی کا فرش بچھا تھا۔ میں بستر پر شدت وحشت سے اُٹھ بیٹھی۔ مگر آخر، پھر لیٹ گئی۔

ہم سیاہ چشم مشرقی لڑکیاں بچپن ہی سے جادوگروں اور گرم ممالک کے قصے سُن سُن کر پلتی ہیں۔ اُس وقت کی تنہائی۔ رات کی خاموشی، کمرے کا ہولناک سکوت اور دیو پریوں کے افسانوں کی یاد نے مجھے سہما دیا۔ او معبود! بلند معبود!! عجب راز اور افسانے سے بھری رات تھی۔

میں پلنگ سے نیچے اُتری۔ برقی روشنی جلائی۔ دروازہ کھولکر بائیں باغ اور برآمدے کو متوحش نظروں سے جھانکا۔ تو فوارے کی دلربا آواز رات کی سنسان ہواؤں

Taj Tahir Foundation

میں پھیلی ہوئی سنائی دی — مجھے تو ایسا معلوم ہوا جیسے عمر خیام کی روح
مرے سکون قلب کے لئے ارغنون بجا رہی ہے

باغ کے درختوں پر رات کی اداسی اور اک سکوت مطلق طاری تھا بارہویں
تاریخ کا ماہ جون کا زرد چاند سنگلگوں آسمان پر اس طرح چمک رہا تھا جیسے مئی کے
مہینے کی سخت دھوپ میں پیتل کی رکابی چمک اٹھتی ہے۔

گرم موسم کے شفاف آسمان پر ستارے آنکھیں مل کر ادھر اُدھر دیکھتے
معلوم ہوتے تھے، باغ کے آخری حصے میں اُلّو اپنی ویران آواز میں کچھ بول رہا
تھا۔ دور دریائی سنسان راستوں سے کسی پانی کی چڑیا کی دردانگیز چیخیں
سنائی دے رہی تھیں اس کی یہ غمگیں چیخیں نیچر کی اس آسیب نما خاموشی میں ڈوب
ڈوب کر ابھر رہی تھیں اور ابھر ابھر کر ڈوب جاتی تھیں۔ پردہ کائنات میں ایک دلچسپ
رازِ پوشیدہ نظر آ رہا تھا۔ اور دنیا اک تصویر کے مانند مرے سامنے خاموش کھڑی تھی۔

اسی وقت مجھے بالاخانے کے نیچے اور پائیں باغ کے دروازے کے
پاس تمہارا سفید مجسمہ نظر آیا۔ تم نے اک شاعرانہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔

خواب وافسانے کی شیدائی! دیکھو کیسی سنسان رات ہے!

نارنگی کی کلیوں کی بو مجھے گئے گذرے افسانوی دلوں اور رومانوی راتوں
کی یاد دلا رہی ہے۔ تم سو رہی تھیں؟ مگر گرم ممالک کی راتیں تو صرف فلسفیانہ
تخیلات، شاعرانہ احساسات بسر کرنے کے قابل ہوتی ہیں! انھیں نیند میں
ضائع نہ کرنا چاہئے!"

تمہارا یہ ملکوتی فقرہ سُن کر مری خیال پرست روح شعر و نغمے کے جزیروں کی طرف پرواز کر گئی۔

Taj Tahir Foundation

میں نے غمگین لہجے میں کہا۔

اے پیاری روح! تمہارے جملے بلبل کے لہجوں سے زیادہ دلخراش ہیں
تمہاری باتیں فرشتوں کے عبادتی گیتوں کی مانند موثر ہیں۔

اتنا کہا اور تمہارا ہاتھ پکڑ باغ کی اک کوچ پر تمہیں بٹھا دیا۔ سامنے نارنجی رنگت کا گرم ملکوں کا چاند چمک رہا تھا اور ہوائیں خاموشی سے چل رہی تھیں۔

آہ! وہ دن گذر گئے! وہ وقت چلا گیا۔ اور تقدیر نے شہاب ثاقب کی طرح۔ جو آسمان سے ٹوٹ کر غائب ہو جاتا ہے۔ تمہارے ستارہ حیات کو زندگی کے آسمان سے توڑ کر مری نظروں سے ہمیشہ کے لئے اُجھل کر دیا!!

آج پھر اسی مہینے کی اک رات ہے!
آج پھر نارنگی کی کلیوں کی بو صحن باغ میں مہک رہی ہے
پھر وہی قدیم چاند آسمان کے کناروں کو چوم رہا ہے
پر آہ — آج تم اس دنیا میں موجود نہیں!

مجھے پرانے مناظر یاد آتے ہیں — اور رات کی تاریکی مجھے پچھلے رومانوی دنوں کی طرف کھینچ کر لے جا رہی ہے!

اور — یہ کائنات یہ اتنی بڑی کائنات، بغیر تمہارے خالی نظر آتی ہے!

"یہ چمن یہ دشت یہ ارض وسما میرے لئے
مختصر یہ ہے کہ ہیں ماتم کدہ میرے لئے
آرزو کیسی، کہاں کا شوق، کیسی حسرتیں؟
اک تری موت نے ان سب کی ہمت توڑ دی"

تمہاری آواز

(اشعار منثور)

مجھے اب خوابوں کی وادی میں کوئی رسیلا گیت سنائی نہیں دیتا!

آہ معلوم ہوتا ہے، یہ گیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا! آہ یہ راگ اِک دائمی سکوت میں کھو گیا!

کائنات کی مختلف آوازوں میں

مرے کان اس خاص آواز کو۔ ڈھونڈھتے ہیں، جو اب ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئی ہے۔

اس گیت کو سننے کے آرزومند ہیں

جو بہت دن ہوئے

کہ دنیا کی آوازوں میں تحلیل ہو کر غائب ہو گیا ہے۔

ہائے .... وہ تمہاری آواز !!!

جو مجھے مذہبی آیتوں کی طرح مقدس، اور بہار کے جھونکوں کیطرح سُریلی معلوم ہوتی تھی

اے معبود، میرے کان اس آواز کو سننے کے مشتاق ہیں جو اب ہمیشہ کے لیئے خاموش ہو گئی ہے اور جسم انسان کی طرح نابود ہو گئی ہے۔ اور رنگینی کی بو کی طرح جو گرمیوں کا آفتاب بلند ہوتے ہی غائب ہو جاتا ہے فنا ہو گئی ہے۔

آہ! تمہاری زندگی کا بربط کیا ٹوٹا کہ اس کے تار بھی ہمیشہ کیلئے چپ ہو گئے

ہائے .... وہ تمہاری آواز !!!

Taj Tahir Foundation

دراز ہونیوالے سائے

(اشعار منثور)

دن ڈھل چکا تھا،

اور بالس کے سربلند درختوں کے تنے دوپہر کی گرم ہواؤں سے جھوم رہے تھے۔

دور جنگلوں سے کبوتروں کی آوازیں فرشتوں کے عبادتی گیتوں کی طرح مجھ تک پہونچتی تھیں۔

میں نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ آہ معبود! کتنا وقت گذر چکا تھا؟

بتوں کا عکس مرے باغ کی دھوپ گھڑی سے نیچے آگیا تھا۔ اور درختوں کے سائے بھی کچھ کچھ دراز معلوم ہونے لگے تھے۔

میں نے اک یاس انگیز آہ کھینچی۔

آہ! ان دراز ہونے والے سایوں کو دیکھکر، بچھڑے وقت کی دردناک داستان اور دلچسپ افسانے کسی بھولی بسری نظم کے مصرعوں کی طرح یکے بعد دیگرے آہستہ آہستہ مرے حافظہ میں تازہ ہو گئے۔

کیونکہ دن کے ڈھلتے ہی شاہ بلوط اور زیتون کے ان تناور درختوں کے سائے پھر اسی طرح دراز ہونے لگے تھے۔ جیسے تمہاری زندگی میں تمہارے خوبصورت باغ "پامس" میں ہوا کرتے تھے۔

جون کی اس سنسان دوپہر میں تفکرات حیات سے اکتا کر، اور

Taj Tahir Foundation

تکالیف زندگی سے گھبرا کر دو ہی لمحوں میں کیلے کے نوخیز پتے کی طرح زرد ہوگئی! اور کچھ سوچ کر باغ میں اُتر آئی' جہاں ہوائیں سُریلے گیت گا رہی تھیں اور چشمے کے پانی میں اک فردوسی موسیقی ملی ہوئی تھی۔ میں انگور کی بیلوں کی طرف چلی گئی، جہاں بیٹھکر اکثر اشعار سوچا کرتی تھی۔ وہاں بانس کی ایک بوسیدہ کوچ پر بیٹھکر "خواب بیداری" دیکھنے میں محو ہوگئی۔

یہی ایک طریقہ ہے۔ جو ہم "خواب اور افسانوں کی دنیا" میں اپنے خیال پرستوں کو، زندگی کی جان لیوا تکالیف' اور حیات کی ناقابل برداشت بیچینیوں سے دو گھڑی کے لئے نجات دلا دیتا ہے۔ اور ناواقف لوگ ہمارے ان خوابوں پر ہنسا کرتے ہیں! آہ

اجاڑ ہو گئے عہد کہن کے مے خانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

نئی دُنیا

(اشعار منثور)

ستاروں کے پیچھے معبود جانے وہ کیسی عجیب وغریب دنیا آباد ہے
اور نہ جانے وہ کیسے دلچسپ مشاغل ہوتے ہیں'

کہ مرا دوست واپس نہیں آیا!

میں یہ نہیں جانتی کہ وہاں صبح وشام کی روشنیاں کیا پیام پہونچاتی

ہیں۔ پر ــــ اتنا جانتی ہوں کہ وہ بڑی دلچسپ جگہ ہے!

جہاں درد و تکلیف کا کوئی وجود نہیں

جہاں جُدائی اور موت موجود نہیں

وہ بلند پہاڑوں کے اوپر آباد ہے

اور ستاروں کے پیچھے موجود ہے

بہت بلند ہے ــــ اتنی بلند ــــ کہ نہ ہماری نظریں وہاں پونچ سکتی ہیں نہ آواز۔ بہت ہی مقدس ہے ــــ اتنی مقدس ــــ کہ نہ ہمارے ہاتھ اسے چھو سکتے ہیں، نہ قدم وہاں پہونچ سکتے ہیں۔

مگر وہ اونچی جگہ موجود ہے

سنسان راتوں میں، جبکہ حیوان اور انسان بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

چاند بھی غائب ہو چکا ہوتا ہے

اور ستارے بھی مدھم پڑ جاتے ہیں

اور عبادت گاہوں کی موم بتیاں بھی اپنا آخری شعلہ اک دفعہ بلند کر کے ہمیشہ کے لئے گل ہو جاتی ہیں۔

تو ایسے وقت میں، آسمانوں کے کنارے، مجھے اک متحرک اور مقدس روشنی دکھائی دیتی ہے۔

میں یہ نہیں جانتی وہ کہاں سے آتی ہے؟

پر اتنا سمجھ لیتی ہوں، کہ یہ روشنیوں کے جزیرے سے گذر کر مجھ تک پہونچتی ہے۔

Taj Tahir Foundation

لیکن کہیں یہ تمہارا عکس نہ ہو !

پھر جب سرِ شام، صنوبر اور خشخاش کے درختوں پر بلبلیں سو جاتی ہیں۔
گیہوں کے کھیتوں سے کسان واپس آنے لگتے ہیں
اور جب میں اپنی خوابگاہ کی کھڑکی بند کرنے جاتی ہوں
تو ایسے وقت مجھے پھر ہواؤں میں اک دل گداز راگنی کی آواز سنائی دیتی ہے !

اور پھر بھی میں نہیں پہچان سکتی کہ وہ کہاں سے آتی ہے !

پر اتنا سمجھ لیتی ہوں کہ زمین اور آسمان کے درمیاں —— دور اُفق میں کوئی من چلا فرشتہ بیٹھا بربط بجا رہا ہے !

اُس وقت مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہانیوں کے جزیرے میں کوئی بیٹھا مرے دوست کو دلفریب لہجوں اور میٹھے لفظوں کی کہانی سنا رہا ہو
لیکن کہیں یہ تمہاری آواز نہ ہو۔

اے دوست . . . مرا بھی دل اب یہی چاہتا ہے کہ اب اس بوجھ کو اُتار پھینکوں —— !

اور کسی دن —— ہواؤں کے ساتھ، فرشتے کے بازوؤں کے گرے ہوئے کسی ہلکے پھلکے پر کی طرح اُڑ کر تمہارے بلند اور چمکیلے جزیرے میں چلی آؤں۔

جہاں —— مرے بہت سے پیارے پیارے دوست چلے گئے پر کوئی واپس نہیں پھرا —— !

Taj Tahir Foundation

اور جہاں اک ایسی مقدس روح چلی گئی جس نے مری خوشیوں اور
اُمیدوں کی کلی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔

وہ رفتگان خاک کہ جنکی تمام عمر
خالی محبتوں سے کوئی بات ہی نہ تھی
ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا
گویا کبھی کسی سے ملاقات ہی نہ تھی

کھوئی ہوئی روح

(اشعار منثور)

نرگس کے پودوں کے قریب بلبل کچھ گا رہی ہے
آہ۔ کیسا میٹھا درد دل میں اُٹھتا ہے
کیا تم بھی کچھ ہنستی ہو؟

اوائل مارچ کی سُریلی ہوائیں حنا کی کلیونکی تیز بو کو باغ کے ہر گوشے میں پونچا رہی ہیں۔

اور ہوائے جنوب ہار سنگھار کے ان شوخ و شنگ پھولوں کو چھیڑ رہی ہے. شہد کی مکھیاں کھلے دریچوں کے آگے زندگی کے مسئلے پر دقیق گفتگو کرتی معلوم ہوتی ہیں ——!

دل فریب روح! — دیکھو تو کیسی پر اسرار باتیں ہیں آہ اس

Taj Tahir Foundation

وقت تم مجھے بے طرح یاد آ رہی ہو! —
شاید یہ موسم بہار مجھے تنہائی اور سوگواری میں گذارنا پڑے
آہ کیسا ڈراؤنا خواب ہے۔
کھوئی ہوئی روح! دیکھو کیسی جلدی پھر یہ اونچا سا پہاڑ بنفشی
اور کاسنی رنگت کے پھولوں سے ڈھک گیا۔
کیا تم بھی کچھ دیکھتی ہو؟
زیتون کے درختوں پر سُرخ مینائیں کیسے فردوسی لہجے میں چہچہا رہی ہیں
اُف اُف کتنا دردمند گیت ہے۔
کیا تم بھی کچھ سنتی ہو؟

Taj Tahir Foundation

باسی چاند

(سولھویں تاریخ کا چاند دیکھکر)

گرجنے والے سمندروں کے اوپر،
اور دور پہاڑوں کے پیچھے مجھے اک زرد چہرہ نظر آ رہا ہے۔
خزاں کے پتے کی طرح زرد —
اور قمری کے گیت کی طرح اُداس۔
جیسے کسی دائم المریض کا چہرہ ہو
یا کسی ناکام محبت عاشق کا چہرہ

لوگ تجھے کبھی نور کا دیوتا کہا کرتے تھے۔
اور تری روشنیوں کو معبود کے تجلی حسن سے تشبیہ دیتے تھے
پر آج —! خود غرض مخلوق تجھے اک معزول سلطان سمجھتی ہے
اور تری روشنیوں کو بیمار کی آنکھ کی روشنی سے تشبیہ دیتی ہے
آہ دیکھ! انسان کیسا خود غرض ہے۔
لوگ کہتے ہیں۔ کہ چودہ تاریخ کے بعد چاند باسی ہو جاتا ہے
پرانے چاند! — اے باسی چاند! مجھے تری زرد اور پژمردہ
صورت سے محبت ہے۔
کیونکہ ترا اداس چہرہ دیکھکر مجھے اپنی اداس زندگی یاد آتی ہے۔
تو کیسا زرد ہے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو رخسار فلک کا اک ڈھلکا ہوا سنہرا آنسو ہے۔
ترے زرد چہرے سے مشاہدات عالم اور تلخ تجربات زندگی کا اظہار
ہو رہا ہے۔ جبکہ مرا دل دکھا ہوا دل — بھی تری ہمنوائی کر رہا ہے۔
تو اپنی روشنیوں کے کھوئے جانے پر سوگ کا اظہار کر رہا ہے
جبکہ میں موت کے لئے پر دل فگار ہوں۔

Taj Tahir Foundation

آرزو

(اشعار منثور)

گرم موسم کی خوشگوار صبح میں یہ گلاب پھر کیسا تر و تازہ نظر آ رہا ہے۔

شاداب کرنے والے اور زندگی کے احساسات سے لبریز جنوب کی ہوا کے جھونکے واپس آ گئے اور گلاب کی پنکھڑیاں خوبصورت رنگ میں رنگی گئی ہیں۔

رشک مری آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر دیتا ہے!

دل پسند گیت کے نغمے کائنات کی دیواروں سے ٹکرا کر باجے کے مرتعش تاروں کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

مرا نفس آرزو کے بوجھ سے دبا جا رہا ہے

صبح کے وقت دائرہ اُفق سے جدا ہو کر نارنجی رنگ کا آفتاب پھر شام کو واپس جا کر آسماں کے کناروں کو چوم لیتا ہے۔

مرا طائر روح آرزو اور جدائی کے قفس میں تڑپ رہا ہے

تو پھر یہ بات کچھ بھی قانون قدرت کے خلاف نہیں معلوم ہوتی۔

کہ کوئی چیز جائے اور پھر واپس اپنی جگہ آ جائے۔

گرم ممالک میں بھونرے کیتکی کی تلاش میں دور دور کے راستوں پر چلے جاتے ہیں۔

Taj Tahir Foundation

پر وہ شام ہونے سے تھوڑی دیر پہلے لوٹ آتے ہیں

تو پھر مری آرزو ــــ جان لیوا اور روح کو تڑپانیوالی آرزو سی کچھ

ایسی بے جا نہیں معلوم ہوتی ــ کہ پھر اک دفعہ پچھلے افسانوی دنوں کے

ساتھ تمہاری مقدس روح واپس آجائے۔

اور صرف دو لمحے مجھسے گفتگو کر سکے۔

خوبصورت راستہ

(اشعار منثور)

وہ دن چلے گئے ــــ!

کہ ہم اس خوبصورت راستہ سے گذرتے تھے ــ

بنفشی رنگ کے پھولوں سے لبریز، اور سبز پتوں سے ڈھکا ہوا راستہ

جیسے فردوس کا دروازہ ہو!

یا فرشتے کے گھر کا راستہ!

دوست! ہلکے ہلکے بادلوں سے ڈھکا ہوا آسمان، اور حنا کی کلیوں

کی بو سے معطر ہوا۔

نقاب پوش آفتاب کی مدہم کرنیں اور چرواہوں کے دیہاتی

گیت ہمارے اُس پرسکون راستہ پر نور برسایا کرتے تھے!

وہ دن چلے گئے ــــ!

Taj Tahir Foundation

کہ ہم اس راستے سے گذرتے تھے۔

یہاں کلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں پھول کھلتے ہیں
برسات کے پرندے اکثر اس راستے پر بیٹھے برساتی گیت گایا کرتے
یہاں دن کی روشنیاں فرشتے کا چہرہ بنکر چمکا کرتی تھیں۔
یہاں رات کی تاریکیاں گذری ہوئی باتیں یاد دلایا کرتی تھیں۔
آہ — اگرچہ وہ دن چلے گئے مگر مجھے یاد ہے۔
ہم اس راستے سے گذرتے تھے۔
گو تمہارا وجود اس دنیا سے مٹ گیا۔
اور تمہاری روح نہ جانے کہاں کہاں پھر رہی ہے
اور تمہارا جسم نالک جانے کیا ہو گیا —
تمہاری مسکراہٹ گو کہ اب غائب ہو گئی ہے۔
مگر مجھے اس راستے سے گذرنے کا پھر اک دفعہ اتفاق ہو گیا!
پر آہ — اس دفعہ میں تنہا تھی! تنہا!
وہ سرو کے تناور درخت اور شاہ بلوط کی ٹہنیاں جنکے سائے
میں ہمیشہ ہمارا خوبصورت راستہ چھپا رہا تھا،
اور جہاں تمہاری زندگی میں ہم دونوں ٹہلا کرتے تھے۔
اشعار گایا کرتے تھے۔
نظمیں پڑھتے تھے
وہ ندیم — مگر سنسان جگہ

Taj Tahir Foundation

وہ یادگار ــــ مگر دل ہلا دینے والی جگہ
ابتک بالکل اسی طرح موجود ہے!!!
وہ بنفشی رنگت کے پھول اب بھی کھلتے ہیں۔
اور ہوائیں روزانہ گیت گاتی ہیں۔
سبز پتے اب بھی آفتابی کرنوں میں چمکتے ہیں۔
الٰہی حیات انسانی کے خاتمہ کے بعد بھی تمام چیزیں کیسی برقرار رہتی ہیں
آہ وہ چرواہوں کے پرانے گیت، اب بھی اس راستے پر گونجتے ہیں۔
اور وہ بلبل کے حلاوت آمیز لہجے اب بھی سنائی دیتے ہیں۔
زخمی ہرن کی طرح میں واپس آگئی۔
پرانی جگہ کو دیکھکر، اور پرانے گیتوں کو سنکر پرانے قصے یاد آگئے۔
وہ دل دکھا دینے والی پرانی دلکش باتیں
جو بلبل کے گیتوں سے زیادہ دلکش ہیں
چشمے کی آواز سے زیادہ موسیقی آمیز ہیں
وہ ہمارا پرانا گھر ــــ!
جہاں زندگی کے خوشگوار لمحے گذرے تھے
اور پھر سمندر کی موج کی طرح لوٹ کے چلے گئے تھے۔ مرے پیش نظر ہے۔
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہنوز تم اس دنیا میں موجود ہو!

آہ کس قدر محبوب خیال تھا

پر بہت جلد اس المناک ویرانی اور غمناک تنہائی نے مری آنکھیں کھول دیں۔

زمانہ گذر گیا۔

پر مجھے اب بھی یاد ہے کہ ہم اس خوبصورت راستے گذرتے تھے

معبود! تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ حیات انسانی کے خاتمے پر اس کے پسماندگوں کا بھی خاتمہ ہو جائے؟

یاد

(اشعار منثور)

گذاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں

انہیں کی یاد مری زندگی ہے!

کل دوپہر جب میں اپنی نیند سے بیدار ہوئی تو اداس تھی!

خیال بار بار تمہاری طرف جاتا تھا! صرف تمہاری طرف!

آہ میرا خیال!

وہ لوگ خوش نصیب ہیں، جنھیں بھول جانے کی عادت ہے!

پر آہ مرا حافظہ ہمیشہ اس عادت سے محروم رہا ہے!

آہ تمہاری یاد!

Taj Tahir Foundation

یاد

وہ گرمیوں کی دوپہر تھی۔ خوابگاہ کا دریچہ کھلا ہوا تھا۔ بانس کے بلند درختوں کی ٹہنیوں سے دوپہر کی گرم ہوائیں شوخیاں کر رہی تھیں ہر طرف گرم موسم کی آفتابی کرنیں۔ برچھیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ باغ کے پودے آتشی جھونکوں سے جھلسے جاتے تھے۔ اور اداس اداس دوپہر کے سنسان گھنٹوں میں کوّا مسلسل چیخیں مار رہا تھا

مگر کوئی چیز مری توجہ کو اپنی طرف منعطف نہیں کر سکتی تھی۔

مجھے صرف تمہاری یاد ستا رہی تھی

دن آہستہ آہستہ گذر رہا تھا سائے دراز ہونے لگے تھے، باغ کی گھڑی سے انتک گرم موسم کی دوپہر کے ایک پہر کا اداس نغمہ سنائی دے رہا تھا۔ —— اور ——

اور —— میرا خیال پرانے مقامات اور اجڑے ہوئے برباد شدہ گھر کے قدیم کمروں اور دل پسند پرانے گوشوں میں گشت لگا رہا تھا۔ آہ مگر غم نصیب خیال! وہ گذشتہ دنوں کی دردناک یادیں کھو یا گیا تھا۔

مشرقی ممالک کی گرمیوں کی دوپہر، کس قدر خیال انگیز اور افسانوی ہوتی ہے! سنسان مگر موثر دوپہر! فاختاؤں کا مغموم شور، کوّوں کی اداس چیخیں، کسانوں کے دیہاتی گیت —گرمی کی دوپہر درحقیقت اپنی خوبصورتی کے اعتبار سے سردی کی دوپہر سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ ایسے وقتوں میں مجھے تمہاری یاد بے طرح ستاتی ہے!

کل دوپہر جب میں نیند سے بیدار ہوئی تو اداس تھی!
خیال بار بار تمہاری طرف جاتا تھا۔ اور پرانے مقامات پر گھوم
رہا تھا۔ وہ ہر جگہ تمہاری تلاش میں سرگرداں تھا!
کیا وہ درخت اب بھی اسی طرح کھڑا ہو گا؟ - کیا وہ شہتوت کا پرانا
درخت اپنی جگہ اسی طرح کھڑا ہو گا۔ جہاں تمہاری زندگی میں کھڑا تھا۔
جس کے سائے میں ہماری اکثر دوپہر بسر ہوئی؟
ہائے وہ قدیم محبوب درخت!! - ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے
مجھے اس کے پتے پتے سے گہری محبت ہو گئی ہے! کیونکہ وہ ہماری
گذشتہ زندگی کے ہر راز سے واقف ہے -!
اس کے بھورے پیڑ سے مجھے عشق ہے! کیونکہ یہ معمر درخت
میری پرانی یاد کا رفیق ہے۔

Taj Tahir Foundation

دیباچہ دل

(اک دل گرفتہ کے دل ریش جذبات)

درمانِ دلِ زار کہاں سے لاؤں؟ دکھ درد کے غمخوار کہاں سے لاؤں
تقدیر موافق نہ زمانہ وساز یارانِ وفادار کہاں سے لاؤں؟

خبر نہیں — یہ خیال یہ سودا کیوں مرے دماغ میں چند دنوں سے سما گیا ہے کہ زندگی — اک ایسے انسان کی زندگی' یا صاف صاف ہی کیوں نہ کہدوں' مجھ سے انسان کی زندگی' جس کے لئے دنیا میں نہ کوئی اسباب دل بستگی ہے نہ سامان دلچسپی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ نہیں رکھ سکتی! اسے جلد ختم ہو جانا چاہئے۔ یا جلد اسے ختم۔ ہاں!!

زندگی' بے لطف بے معنی زندگی — بدحواس بے رونق زندگی۔ زندگی' جس میں نہ کسی قسم کی چاشنی ہے نہ تلخی' روشنی ہے نہ تاریکی' اک مدتوں کے پرانے اور تھمے ہوئے پانی کی مانند ہے جو زہریلے اثرات فضا میں پھیلا کر انسانوں کو بیمار کر دیتا ہے! ہائے پھر تو یوں کہئے کہ مضر زندگی وہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اسے کوئی حق نہیں کہ وہ قائم رہے اس سلسلے کو منقطع ہو جانا چاہئے۔ توڑ دینا چاہئے! یہ تو انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ جب چاہے اس زنجیر کو توڑ دے! یہ ہمارا پیدائشی حق ہے! زندگی ہمارا پیدائشی جہیز ہے! پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اس سے جیسا چاہیں ویسا

Taj Tahir Foundation

سلوک نہ کریں۔ کسی کو اسمیں باز پرس کا حق نہیں ہونا چاہیے۔ ہرگز نہیں! نہ عدالت کو نہ سوسائٹی کو!

میں کاش عمر رواں تجھکو چھوڑ کر بھاگوں
طلسم خانہ ہستی کو توڑ کر بھاگوں

سنو! کوئی کہتا ہے زندگی ایسی رنگیں ہے جیسے جاڑوں کا شگفتہ گلاب! کوئی کہتا ہے زندگی دلچسپ ہے جیسے موسم بہار کا مختلف الرنگت آسمان! کسی کا بیان ہے زندگی ایسی خوبصورت ہے جیسے پریوں کے پہلو! مجھے کہنے دو۔ کہ یہ محض غلط ہے! یہ لوگ مجھے بہلا نہیں سکے! یہ سب شاعری ہے! جس میں اصلیت کا شائبہ نہیں، حقیقت کی بو نہیں۔

یقین کرو، زندگی کے لئے یہ تشبیہات موزوں نہیں۔ زندگی گلاب ہے نہ پریوں کا پہلو۔ اور نہ موسم گل کا آسمان مرا نظریہ، مرا تجربہ زندگی کے متعلق کچھ اور ہے مگر وہ نیا نظریہ اور تجربہ کیا ہے؟ شاید تم کو اختلاف ہو۔ مجھ بد نصیب کی رائے سے اختلاف ہو۔ مگر مرا اپنا خیال تو یہی ہے کہ زندگی کو مندرجہ بالا باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک دفعہ میں نے اپنے ایک دوست سے صاف صاف کہدیا تھا کہ میرا خیال زندگی کے متعلق یہ ہے میں نے کہا تھا "دوست" یہ زندگی جسے تم اور میں اب تک بہت محبوب خیال کرتے تھے بڑی شورش انگیز چیز ہے۔ کیونکہ اس میں کبھی سمندر کی سی ہولناک موجیں اُٹھنے لگتی ہیں اور کبھی اس میں پہاڑ کے سے مصائب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد میں اپنے آنسو ضبط نہ کرسکی۔ مجھے اچھی

Taj Tahir Foundation

طرح یاد ہے کہ وہ گرم موسم کی ہوش ربا رات تھی۔ ایشیائی گرم ممالک کے کھلے ہوئے آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔

میں نے اک دریچے کا سہارا لیا۔ سنہرے آنسو مرے پژمردہ رخسار پر بہ نکلے۔ مگر میں نے اپنے بقیہ خیالات کا اظہار کر ہی دیا۔ کہ دوست! زندگی جسے تم اور میں مفید خیال کرتے تھے اب میرے لئے اک ہلاکت آفرین زہر ثابت ہو رہی ہے، اور کبھی ایسی دوا، جو مدتوں اک قریب المرگ کو عالم نزع میں زندہ رکھے! آہ کوئی شک نہیں کہ مرے لئے یہ زندگی، جسے کبھی تم اور میں فرشتے کا اک لطیف خواب سمجھے تھے۔ تمہارے بعد شیطان کا اک طویل قہقہہ ہے!

میں اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ اسی رات سے زندگی مجھے اک خونخوار بھیڑیا نظر آنے لگی جو مری تاک میں ہو۔ اس شب میں اپنی زندگی سے ڈر رہی تھی۔

یقین کرو، کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا ہے، کہ جب سورج مرے دریچے کے باہر ڈوبنے لگتا ہے۔ تو میں مچل جاتی ہوں۔ اور اک عجب ہوش ربا ارمان مرے دل میں (آہ مرا مرحوم دل!) چٹکیاں لینے لگتا ہے کاش میں بھی اسکے ساتھ غروب ہو جاؤں! اور ایسی روپوش ہوں کہ پھر کبھی۔ مری مظلوم روح کا سایہ اس ناپاک سرزمین پر نہ پڑے!!!

مجھے کسی چیز سے دلچسپی نہیں رہی۔ مرا دل خود بخود ڈوب رہا ہے کوئی منظر، کوئی نظارہ مجھے بہلا نہیں سکتا! سفر سے مجھے وحشت ہے اور گھر

Taj Tahir Foundation

سے دہشت! مرے رفیقوں شفیقوں سے مجھے نہ اب محبت ہے نہ دل بستگی۔ تمہارے بعد کسی چیز میں جی نہیں لگتا! ۔ مرا دل تھک گیا ہے۔ تمام چیزوں سے تھک گیا ہے۔ ان تمام چیزوں سے! اس لئے کہ مری روح کو ان چیزوں سے تسکین نہیں ہوتی! پھر وہ کیا چاہتی ہے؟ اس دار المحن میں ہزاروں حسین و جمیل چہرے اب بھی موجود ہیں، مگر میرے لئے وہ سب کسی نو مشق مصور کی تصویروں سے زیادہ نہیں! چمکیلی دھوپ، اونچے پہاڑ، شاندار صحرا، سرسبز میدان، اور گہرے نیلے آسمانوں سے مجھے عشق تو اب بھی ہے مگر مجھے اب وہ روشن نہیں نظر آتے ۔ اک عجیب دہشت ناک سایہ ان پر چھایا ہوا ہے۔

مرے کمرے کے آگے ننھے سے باغیچے میں جب مارچ کی خوبصورت اور زرد دھوپ کا دریا لہریں مارنے لگتا ہے تو میں اپنی پرانی دلچسپی سے اس کو اب بھی پہروں تکتی رہتی ہوں۔ مگر آہ! اچانک ان نورانی لہروں پر اک خوفناک تاریکی مسلط ہوتی نظر آتی ہے! خبر نہیں کیوں ۔! ؟ ان سب سے برتر ان سب سے بہتر، اک اور چمکیلی چیز موجود ہے مری آنکھوں اور مرے ضمیر نے اک اور چیز ڈھونڈ لی ہے۔ کیا موت مقدس نہیں ہے؟ کتب مقدسہ نے وعدہ کیا ہے موت ہمکو تکالیف و مصائب دنیوی کے کثیف پہلو سے کھینچ کر اپنی آغوش محبت میں اک ابدی اور غیر فانی مسرور نیند سلا لیتی ہے ۵

موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے

Taj Tahir Foundation

کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا لیتی ہے

مجھے اب اس راہ پر چلتے ہوئے مدت گذر گئی ہے! میں اب بہت تھک گئی ہوں۔ ہاں اس صحرائے ہستی کی تنہائی اور الم نا کی نے مجھے مضمحل اور نڈھال کر دیا ہے! شاید میں کسی ایسے سایہ دار درخت کے نیچے پناہ گزیں ہونا چاہتی ہوں جس کے پتے فنا کا راگ گا رہے ہیں اور جسے لوگ موت کے وحشت ناک نام سے پکارتے ہیں۔

بدحواسی، بے خودی، دیوانگی چھائی ہوئی
جی سے اکتائی ہوئی صدموں سے گھبرائی ہوئی

مجھ سے سوال کیا گیا ہے کہ اک انسان کو اپنی زندگی سے بیزار کرنے کے کیا اسباب ہوتے ہیں؟ یہ سوال بجائے خود اک حل طلب معمّہ ہے اور معمے کبھی حل نہیں ہوتے تا وقتیکہ انہیں حل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

آپ پہلے مرے اس سوال کا جواب مرحمت فرمائے کہ اس شخص کو زندہ رہنے کی کیا ضرورت ہے؟ جس کی زندگی کا دروازہ ہمیشہ موت کی دستک کا مخفی اور آرزومند رہتا ہے؟ للّٰہ اس کا جواب تو پہلے مجھے دیجئے پھر میں عرض کروں گی۔ آہ شاعر نے کیا خوب کہا۔

پھر نہیں آؤں گا واپس میں یہاں سے جا کر
سیکھ لیں مجھ سے کہ فانی ہے یہ دنیا کی بقا (قیصر بھوپالی)
دیکھ لیں ایک نظر دیکھنے والے آ کر

کہ مری نعش ہے کیسی سبق آموز فنا
اپنی ہستی سے بہت جلد گذر جاتی ہے
مرے مرنے سے جو لوگوں کو نصیحت ہوتی
بات تو جب تھی کہ اس طرح سے مرجاتی ہیں
کہ مری موت سے مخلوق کو عبرت ہو جاتی
کاش برائے کسی طرح یہ امید ضعیف
سارا جھگڑا ہوا ابھی پاک ہمیشہ کے لئے
اس لئے جان سے جائے یہ مرا جسم نحیف
بند کر دے دہن خاک ہمیشہ کے لئے
اے اجل اے سبب راحت جان ناشاد
قید ہستی سے تو کرتی ہے ہر اک کو آزاد
مشکلوں میں مجھے تسکین دلانے والی
رنج و غم سے مجھے ہر آن بچانیوالی !

Taj Tahir Foundation

اُداسی

(اشعارِ منثور)

ہر چیز کائنات کی لبریزِ یاس ہے
دل کیا اداس ہے کہ زمانہ اداس ہے

فضا کے اداس پتے چاند کی زرد روشنی میں شدتِ گریہ سے کانپ رہے ہیں؛

اور یہ غنچے کے زرد پھول آنکھیں بند کئے، ہواؤں میں سسکیاں لیتے معلوم ہوتے ہیں

آہ! کیا ان کا بھی کوئی عزیز دائمی طور پر بچھڑ گیا ہے؟

آہ مری اداس زندگی ہے ___!

دیکھو چاند نہایت تیزی سے اوپر کو بڑھتا چلا آرہا ہے اور کائنات اک ننھی کشتی کی طرح نور کے دریا میں تیر رہی ہے۔

پر۔ مرے ارمانوں کی دنیا ویران پڑی ہے!

مرے اطراف تاریکی اور اداسی ہے!

آہ مری اُداس زندگی' ۔!

ایسے وقت میں، باغ کی چھوٹی سی دیوار کے پاس اک جھینگر کچھ گا رہا ہے۔

کیا اس کا دوست بھی ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا ہے؟

Taj Tahir Foundation

آہ کوئی اسے روک دے!

کیونکہ مرے بربطِ روح کے تاروں پر موت کی راگنی مرتعش نظر آرہی ہے۔

آہ مری اُداس زندگی!

سنو مرا طائرِ روح، زندگی کے سائے دار درخت کے نیچے سرنگوں بیٹھا نقابِ حیات کی شرح بیان کر رہا ہے۔

مگر اس کا ہر ہر لفظ اداس اور افسوس کے لہجے میں ڈوبتا جاتا ہے

آج وہ بہت اُداس ہے۔

آخر آج دنیا کیوں سوگوار نظر آتی ہے۔ کونسا عزیز اس کا اس سے بچھڑ گیا ہے؟

Taj Tahir Foundation

درخت

(اشعارِ منثور)

(ایک قدیم درخت کو دیکھکر)

مرے رفیق!

آہ! تو اب تک اپنی جگہ پر قائم ہے؟ زمانے کے ظالم ہاتھ تجھ تک نہیں پہونچے۔

انسانی زندگی کا شیرازہ درہم برہم ہوگیا، دوست کی زندگی کا چراغ گُل ہوگیا۔

یہ کھیتی تہ و بالا ہو گئی!

اور تو اپنی جگہ بدستور کھڑا ہے؟

شجر حیات سوکھ گیا۔ اور پھول کملا گئے،

مگر اب تک تری ڈالیوں پر پھول مسکرا رہے ہیں، اور ترا مضبوط پیڑ اب بھی سرسبز نظر آتا ہے۔

آج مدت بعد مجھے ترے سبز پتے اور لمبی ٹہنیاں نظر آئیں!

آہ! وقت کیسی تیزی سے گذر جاتا ہے!

دیکھتے دیکھتے لمحے گھنٹے، اور گھنٹے پہر دن، دنوں ہفتوں پھر آخر مہینوں سالوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں — مگر ہماری تقدیر مضبوط چٹانوں سے زیادہ سخت، پہاڑوں سے زیادہ غیر متحرک تقدیر ہمیں قیدیوں کی طرح مقید کرکے اپنا کام آہستہ آہستہ کرتی رہتی ہے!

یہ بالکل کل کا واقعہ معلوم ہوتا ہے کہ ترے پرسکون سائے مجھے پریوں کے پروں کے سائے کی طرح محبوب اور خوبصورت نظر آتے تھے —

پر اب تیرے سایہ میں مجھے فرشتہ موت کے پروں کی چھاؤں نظر آ رہی ہے!

بیشک، مجھے تجھ سے محبت تو اب بھی ہے، کہ تجھے دیکھ کر، مدتوں پہلی کی پرانی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور اک طلسمی خواب مرے تخیلات پر چھا جاتا ہے!

مرے رفیق! — تو فلاسفروں کی طرح سر جھکائے آخر کیا سوچ رہا ہے؟

نے جھکے ہوئے پتے مضبوط بھوے پیڑ، مجھے بتا رہا ہے کہ تو زندگی بسر کرنے کے راز سے کما حقہٗ آگاہ ہے۔

جس سے میں قطعاً ناواقف ہوں

تو مجھ سے کہیں زیادہ اچھا ہے، کہ زبردست موسمی طوفاں اور ڈراؤنی راتوں کی تاریکیوں کا تنہا مقابلہ کرتا ہوا آج تک اپنی جگہ پر قائم ہے۔

جبکہ میں تفکرات حیات کے ہلکے ہلکے طوفانوں، اور غم مرگ کی سیاہی سے کانپ اُٹھتی ہوں۔ اور اپنی جگہ سے، خزاں کے سوکھے پتے کی طرح اڑکر کہیں کی کہیں جا پہونچی ہوں۔

حکمائے یونان کی طرح، تو سر جھکائے آخر کیا سوچ رہا ہے؟

شاید کارزارِ ہستی کے اُن طریق پر غور کر رہا ہے جنسے میں لاعلم ہوں۔

تو مجھسے کہیں زیادہ بہادر ہے، کہ نیچر کے لئے پر ہمیشہ صابر شاکر رہتا ہے جبکہ میں کشمکش حیات سے تھک کر، موت کے گئے پر اک ہٹیلے بچے کی طرح چیخ اُٹھتی ہوں۔

اے درخت! اے پرانے درخت! بے شک مجھے تجھ سے محبت ہے کہ تجھے دیکھکر مجھے اپنی زندگی کے پرانے خواب یاد آتے ہیں۔

تو میرے بہت سے رفیقوں سے بہتر ہے جنھوں نے زمانے کے ساتھ اپنی آنکھیں پھیر لیں ــــ اور تو اب بھی اپنی حالت پر قائم ہے اور تیرا پرسکون سایہ اب بھی مجھے اپنی آغوش میں لے لیتا ہے! خدا تجھے ہمیشہ سرسبز رکھے!

Taj Tahir Foundation

میری روح!!

(اشعارِ منثور)

رات کے سناٹے میں جب دیوار کے سائے چاندنی میں کانپتے ہیں اور زرد پھولوں کے باغیچے کی آخری روش پر کوئی اک چھوٹا سا اداس پرند اپنی دھیمی آواز میں سیٹی بجاتا ہے۔

تو مری روح —— زندگی کے گذشتہ خوابوں کی تلاش میں تمہارے پاس پہونچ جاتی ہے۔

—— اور وہاں موت کے سائے میں گمشدہ زندگی ڈھونڈتی ہے!

پر آہ! وہاں تم موجود نہیں ہوتیں!!

وہاں صرف اک سایہ، تارے کی طرح روشن، روح کی طرح مبارک، نغمے کی طرح معصوم سایہ متحرک رہتا ہے!

آہ —— مری ناکام روح!

وہ واپس آجاتی ہے!

پھر جب اداس خوابوں کے سائے زندگی کے راستے پر جلوہ فگن ہوتے ہیں جب یہ راستہ اک مغموم روشنی سے جگمگا اٹھتا ہے تو مری روح گذشتہ گیتوں کی یادیں تمہارے پاس پہونچنے کی کوشش کرتی ہے۔

وہ فانی سایوں میں ابدی چیزوں کو ڈھونڈتی ہے۔

پر آہ وہاں بھی تم موجود نہیں ہوتیں!

وہاں صرف مرے مرحوم ارمان —— خزاں کے پھولوں کی طرح پژمردہ، بیمار کی کراہ کی طرح اداس، برسے موسم کے آسمان کی طرح بے رونق ارمان سرنگوں بیٹھے رہتے ہیں۔

آہ —— مری ناکام روح

واپس آجاتی ہے!

Taj Tahir Foundation

بہار کی رات

(اشعار منثور)

وہ بہار کی رات تھی

اور ہر قسم کی روشنی دنیا سے نابود ہو گئی تھی ——— !

صرف حسن کا خیال، مری آنکھ، مرے دل اور مری روح کو منور کر رہا تھا،

اپنی نظم کے ختم کرتے ہی ——— میں خوابوں کی دنیا میں پہونچ گئی۔

آہ ——— وہ بہار کی اندھیری، ——— مگر دلفریب رات، ——— خاموش ——— مگر ہوشربا رات!

جس میں بلبل دل کھول کر گاتی ہے

اور گلاب بہار کی نرم ہواؤں میں اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتا ہے۔

اور لامحدود سمندر کی نیلگوں موجیں آپس میں زندگی سے متعلق سریلا رسیلا گیت گاتی رہتی ہیں ——

اور محبت کی آنکھ اس وقت آسمان سے کچھ طلب کر رہی ہوتی ہے ———

اک ایسی ہی رات میں ———

اک نورانی ستارہ آسمان سے ٹوٹا۔ اک سنہرا خواب میرے تخیلات پر مسلط ہو گیا

بلند معبود! کیسی پرسکون مسرت ہے! دھیمی خوشی!

مجھے یقین ہو گیا کہ ٹوٹے ہوئے ستارے میں تمہاری روح مجھ سے پردہ کر رہی ہے!

کیا لطیف حجاب ہے!

کیا تم کو شرمانا بہت پسند ہے؟

تو مجھے بھی تمہاری شرم سے محبت ہے!

Tej Tahir Foundation

یاد رفتگان

(رات کے سناٹے میں)

کچھ خبر ہے تجھکو اے آسودہ خواب لحد
شب جو تیری یاد میں ہم تا سحر رویا کیے
رونے والے تیرے تجھکو عمر بھر رویا کیے
روز و شب رویا کیے شام و سحر رویا کیے

پیارے رفیق! مجھے ڈر ہے کہ آج کی رات بھی۔ اپنی الم انگیزی اور ماتمی نشانات کے سبب کتاب زندگی کا اک یادگار باب بنے گی! کیونکہ دریچہ کھلا ہوا ہے۔ اور گرم ممالک کا زرد چاند آسمان پر چمک رہا ہے کھڑکی کے پاس ہی رات کی اس اداس تنہائی میں اک الّو اپنی ویران آوازیں کچھ گنگنا رہا ہے۔ آہ شاید قصہ ماضی کو دہرا رہا ہے اس کے لہجے مرے ماتمی خوابوں کو از سر نو بیدار کر رہے ہیں۔ مری اشکبار روح کو آمادہ گریہ کر رہے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے ——— اور آہ اسکا احساس بھی کس درجے مایوس کن ہے ——— کہ سوائے اس زرد چاند کے، جو اس وقت آسمان پر فرشتے کی پیشانی کی طرح چمک رہا ہے۔ اس دنیا میں میرا کوئی رفیق نہیں۔ سچا رفیق! ——— کیونکہ ہر طرف موت کی سی خاموشی طاری ہے اور مرے پاس تسکین دینے والی کوئی چیز موجود نہیں! سامنے بہت سے اونچے اونچے

Taj Tahir Foundation

پہاڑ نظر آرہے ہیں۔ پر اُن پر بھی آج کی دہشت انگیز رات کی تنہائی میں درندے بھی چلتے پھرتے نظر نہیں آتے۔ گویا میں آزمائش کے لئے نیچر کی طرف سے تنہا چھوڑ دی گئی ہوں۔

پروردگار! ترے آدم نے بھی دنیا میں پہلے پہل اتنی تنہائی محسوس نہ کی تھی جتنی اُس وقت میں کر رہی ہوں۔

کمرے میں —— اک طرف، کونے میں تپائی پر موم بتی کے پاس ہی اک ٹائم پیس رکھا ہوا ہے۔ جس کی "ٹک ٹک" در و دیوار سے ٹکرا کر مجھ غم نصیب کی طرف آتی ہے۔ اور مرے بربط خیال کو چھیڑ چھیڑ کر اس میں سے عجیب ہولناک دہشت خیز راگ پیدا کر رہی ہے۔

آہ رفیق! مرا دل اس تنہائی' ویرانی' اُداسی میں دھڑک رہا ہے اور وہ بہت زور زور سے دھڑک رہا ہے میں ڈرتی ہوں کہ وہ ساکت ہو جائیگا۔ میں ڈرتی ہوں۔ کہ میں اس المناک تنہائی کے احساس سے رو پڑوں گی —— اور بہت دیر تک روتی رہونگی۔ اور اگر کچھ دیر میں یونہی' اپنے جزیرۂ خیال میں بھٹکنے کے لئے تنہا چھوڑ دیگئی اور تاریکی میں میں نے کوئی روشنی نہیں دیکھی، کسی انسانی ہاتھوں کو ہموار طریق پر اپنی طرف بڑھتے ہوئے نہیں دیکھا' تو بے شبہ آج رات میں اپنی جان فنا کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گی۔ آہ مری ناشاد روح!

معبودا! کیسی سنسان اور گرم رات ہے!! مشرقی ممالک کی اک پُرفسوں، مگر تنہا اور ویران رات!! اداس اور غمگین رات!!۔

چاند چمک رہا ہے، مگر اس کی روشنی میں مجھے عجب قسم کی تاریکی نظر آ رہی ہے! کائنات کی آوازیں، شورشیں، آخر کدھر غائب ہو گئیں؟ مرے مالک!! آخر کدھر چھپ گئیں؟ آخر میں تنہائی کی اس مصیبت کے لئے نیچر کی طرف سے کیوں منتخب کر لی گئی؟ — کیا اس لئے کہ میں اک حساس دل اور افسانہ پسند روح والی عورت ہوں؟

آہ رفیق، — اس وقت مجھے یادِ رفتگان بے طرح ستانے لگی! آہ میں دیوانی ہو جاؤں گی رات کی تاریکی مرے تخیل کو ان غیر آباد اُجڑے مکانوں کی طرف لے جا رہی ہے، جو کبھی مری اور مرے رفتگان خاک کی قیام گاہیں تھیں۔ جنکے آج پردۂ دنیا پر ہونے سے یہ روشن کائنات مرے لئے اندھیر ہو رہی ہے اور یہ چمکتا ہوا چاند بے ضیا نظر آ رہا ہے پھلے پھولے گلشن اُجڑے ہوئے کھنڈر معلوم ہو رہے ہیں!

مجھے ڈر ہے میں نیچر کی اس آزمائش میں پوری نہ اُتر سکونگی۔ مجھے ڈر ہے کہ میں اپنے دامن صبر و ضبط کو چاک کر دوں گی۔ اور بے اختیار بچوں کی طرح مچل مچل کر رونے لگوں گی۔

اس وقت مری خواہش ہے — آہ کس قدر غمگین، مگر زبردست خواہش ہے — کہ تم آؤ اور مجھے مری اس تنہا اور غضب کی المناک رات میں صبر کی تلقین کرو۔ آہ کاش تم آؤ — اور مجھے ہمت بندھاؤ۔

محبوب روح! — مری پیاری روح! اے بچھڑی ہوئی روح!

اگر تم نہ آؤ گی۔ تو مجھے یقین ہے، کہ آج رات میں اپنے پریشان خیالات سے متاثر ہو کر اور غمگین جذبات کو برداشت نہ کر سکتے ہوئے، آہ بیچاری میں ــــ غش کر جاؤ نگی۔ ا ــــ یا سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے تک بالکل پاگل ہو جاؤ نگی۔

ہائے مجھے اب یاد آتا ہے کہ تم بھی اس دنیا میں موجود نہیں، پھر کیوں کر آؤ گی؟ کھوئی ہوئی روح! کیوں کر آؤ گی؟ ہم دونوں میں اک زبردست خلیج حائل ہے جو کبھی ہمکو اس فانی دنیا میں ملنے نہ دیگی تاوقتیکہ میں تمہارے پاس آجاؤں! میں اپنی الم انگیز زندگی پر آہیں بھرا کروں گی ــــ پر آہ، تمہیں دیکھ نہ سکو نگی ــــ! مگر یہ تو بتاؤ کہ کیا یہہ ممکن نہیں کہ یہ مضبوط پتھر ہٹ جائے اور تم مسکراتی ہوئی اس تنگ و تاریک قبر سے باہر نکل آؤ ــــ؟ مری رفیق کیا یہ ممکن نہیں؟

آج رات پھر مجھے نیند نہ آئے گی، اور غمگین خواب مجھے ستائینگے! جانے مجھے آج کیا ہو گیا ہے، لحظہ بہ لحظہ رفتگان خاک کی یاد مری روح مری جان کو بے طرح تڑپا رہی ہے بےچین کر رہی ہے۔ آہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ہمیشہ کے بچھڑے ہوؤں کی یاد مجھے بے موت مار ڈالے گی! نیند بھلا کیونکر آئے؟ کیونکہ جونہی میں آنکھ بند کرتی ہوں۔ مرے بچھڑے ہوئے خواب، میری بیچاری روح کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر بیدار کرنے لگتے ہیں۔ مرا تخیل آج سے کئی سال قبل کے واقعات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مجھے ساحل "سیں تھوم" پر تمہاری روح کھڑی

مسکراتی ہوئی نظر آتی ہے پھر بھلا نیند کیونکر آئے؟

مجھے اس رات کے رنگ ڈھنگ سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ رات — آج کی رات — آج ۱۲ رجولائی ۱۹۳۰ء کی رات بھی مری زندگی کی تاریک راتوں میں جگہ پائے گی۔

آہ اس سلسلے میں مجھے اپنی گذشتہ مختصر زندگی کی چند یادگار راتیں یاد آتی ہیں، مگر مرا تخیل اور مری یاد، جہاں تک کام کرتے ہیں مجھے یہی محسوس ہوتا ہے، کہ یہ گذشتہ راتیں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر عبرت انگیز، دردناک، دہشت خیز ہیں۔

اک وہ رات یاد آتی ہے جبکہ تمہارا رشتہ حیات اس دنیا سے منقطع ہوا تھا۔ تمہارا طائر روح، زندگی کا آخری راگ گا کر ہمیشہ کیلئے چپ ہو گیا تھا، ہائے، میں اس رات کا ذکر کیونکر کروں؟ مری زبان مرا قلم، مری روح — ناتواں، مجروح اور بے قرار ہے —

مختصر یہ کہ لوگ تمکو تمہاری "ابدی قیام گاہ" میں پونچا آئے اور معبود جانے وہاں تم پر کیا بیتی؟ پر آہ، مجھ سے نہ پوچھو للہ مجھ سے نہ پوچھو، تم پوچھو گی تو میں بے اختیار رو پڑوں گی، اس لیئے بخدا نہ پوچھو کہ وہ رات، وہ پہلی رات تمہاری موت کی رات مجھ پر کیسی گذری؟

اس کے بعد زندگی کی اک دوسری رات یاد آتی ہے!

چاند بادلوں میں چھپ گیا تھا، ہوا خاموشی میں ڈوب گئی تھی ستارے نوشق تیراک کی طرح بادلوں کے عمیق سیاہ سمندر میں ڈوب ڈوب کر

نکل رہے تھے، اور نکل نکل کر ڈوب جاتے تھے —— مگر مری خوشیوں کا ستارہ ہمیشہ کے لئے ڈوب چکا تھا! —— موت کا تصور مری روح کے تبسم کو فنا کر رہا تھا مری تصوری آنکھ قبر کے سیاہ اور سرد گڑھے کو آنیوالی تقدیر سمجھ کر صبر وشکر کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ اونچے اونچے سیاہ سرو اور بے رونق اداس ناشپاتی کے درخت یاس کے عالم میں چپ چاپ کھڑے تھے —— اور مرے اطراف چند بھورے بھورے غمگین پتھر نظر آرہے تھے —— جنکے نیچے انسانی ڈھانچ، آہ! وہی ڈھانچ —— جو کبھی کسی کی مرکز تمنا، سجدہ گاہ آرزو ہونگے، آج بے گوشت و پوست دبے پڑے تھے!

آہ اس سرزمین میں ہمارے ہمجنس صدیوں سے ایک افسوسناک بے ہوشی کی حالت میں پڑے موت کا خواب دیکھ رہے ہیں —— تقدیر نے اس بیہوشی کو تم پر بھی مسلط کر دیا تھا، میں تنہا تمہاری اُداس، بے در و دیوار ’ابدی قیام گاہ‘ کو کھڑی تک رہی تھی —— اور رات آہستہ آہستہ گذرتی جاتی تھی! —— کبھی کبھی جنگلی گلاب، اور زرد پھولوں کی بیل میں ہوا سرسراہٹ پیدا کر دیتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان مدت کے سونے والوں نے ایک لمبی سانس لی! —— زرد بیلیں اونچے پیڑوں پر چڑھی ہوئی تھیں، اور افسردہ گھاس ان قبروں کی محافظت کر رہی تھی۔ جنکے اندر انسانی زندگی کے عجیب وغریب افسانے پوشیدہ ہیں! آہ میں اُس رات

Taj Tahir Foundation

کو مدت العمر نہ بھولوں گی!

میں نے آسٹریلیا کے ٹوبیٹر اور ــــ کا نین ڈائل کی روحانی کتابوں کا مطالعہ کیا، میں نے روحانی الیسرج سوسائٹی کی ممبری قبول کر لی، پر آہ ــــ ہ

باتیں یہ سب درست، بجا یہ تسلیاں
لیکن دل حزیں یہ کسے اختیار ہے

لوگ کہتے ہیں کہ موت عارضی نیند ہے، مصنوعی سکوت ہے، بے معنی جدائی ہے، اگر ایسا ہوتا، اگر واقعی ان مصنفین کا کہنا سچا ہوتا تو پھر مرے دل کو اطمینان نصیب ہو جاتا ہے، مگر قرار کیونکر آئے ہم مرے غم نصیب دل کو بھلا قرار کیونکر آئے؟ موت خواہ مصنوعی نیند ہو عارضی جدائی ہو بے معنی سکوت ہو آخر جدائی ہے! اور پھر ایسی جدائی جو زندگی بھر برداشت کیجاتی ہے جو انسان کی خوشیوں کو پامال کر دیتی ہے۔

دیکھو اب مجھ سے لکھا نہیں جاتا!

مرا دل دھڑک کر ساکت ہونے کے قریب ہو رہا ہے۔ مرا سر چکرانے لگا، رات کے دو بج گئے، ہوا میں خنکی پیدا ہو گئی، الّو بھی اپنا دکھڑا رو چکا، اور موم بتی کا شعلہ ٹمٹما رہا ہے!

مجھے اب چپ ہونے دو۔ مجھے یونہی چھوڑ دو یادِ رفتگاں میں تڑپنے، سسکنے کے لئے یونہی چھوڑ دو۔

میری اس وقت کوئی خواہش نہیں ہے۔ اس کا بھی کوئی غم نہیں، کہ میری اس تنہائی میں مراکوئی ہمخیال مونس موجود نہیں لیکن اگر خیال ہے تو صرف اس کا ہے کہ چاند غروب ہو رہا ہے اور میں تنہائی اتنی لمبی، اتنی بڑی رات، کیونکہ تاریکی میں گزاروں گی۔ اُف!

جی چاہتا ہے کہ دریچہ سے باہر نکل جاؤں اور رات کی تاریکی میں بلبل کی لے کی طرح جو بہار کی ہواؤں میں تحلیل ہو جاتی ہے غائب ہو جاؤں ؎

رنگ محفل نہ رہا عیش کا ساماں نہ رہا
اک نہ ہونے سے ترے کچھ بھی مری جان نہ رہا

دلفگار

حجاب اسمٰعیل

یکم جنوری ۱۹۳۲ء

ختم شد

Taj Tahir Foundation

آئینہ موٹر

موٹر کے متعلق اُردو میں کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں مگر وہ سب ملکر آئینہ موٹر کا پاسنگ بھی نہیں ہیں اس کتاب میں سب سے پہلے موٹر انجن کے ہر حصہ کے اصول سلیس اور عام فہم عبارت میں سمجھائے گئے ہیں اور ہر مضمون کے علیحدہ باب مقرر کئے گئے ہیں اس کتاب میں موٹر کے پرزے کے متعلق تمام ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں جن سے ہر پرزے کو کھولکر باسانی ہر شخص انہیں فٹ کرسکتا ہے ڈرائیور علی العموم صرف گاڑی چلانی جانتے ہیں چلتے چلتے موٹر بگر جائے تو اول تو عموماً صحیح اصولوں پر مرمت سے ناواقف ہوتے ہیں دوسرے اگر ٹھیک ٹھاک بھی کرتے ہیں تو بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے لیکن اس کتاب کی مدد ہر پرزہ کے متعلق مالک موٹر کو کافی واقفیت ہو جاتی ہے وہ انجن کی آواز سے معلوم کر لیتا ہے کہ اُس کی موٹر کس حالت میں ہے ڈرائیور اور ورکشاب کی پریشانیوں کی نوبت نہیں آتی اور بہت سا روپیہ ضائع ہونے سے محفوظ رہتا ہے ہر باب کے بعد اس کتاب میں سوال وجواب کی صورت میں نفس مضمون ذہن نشین کردیا گیا ہے اس کے بعد پرزوں کی خرابیاں اور انکے اسباب تحریر کئے گئے ہیں جن سے ہر نقص باسانی دور کیا جاسکتا ہے علاوہ ان خصوصیات کے موٹر چلانے کے اصول بھی درج کئے گئے آخر میں تمام مروجہ اصطلاحیں اور اُنکی مفصل تشریح موٹر کے پرزوں کی بیشمار تصاویر بھی دی گئی ہیں اور بعض تصاویر فوٹو بلاک کی بھی ہیں یہ قابل قدر کتاب درجنوں جرمنی انگریزی کتابوں کا نچوڑ ہے اور تمام باتیں ایسی ہیں کہ مالک موٹر خود انجام دے سکتا ہے ایک ماہر فن کی جنھوں نے جرمنی میں یہی کام سیکھا ہے برسوں کی محنت ہے ہزاروں روپے کی موٹر جن گھروں میں ہو وہاں اس کتاب کا ہونا ضروریات میں سے ہے جس نے یہ کتاب دیکھی بے انتہا خوش ہوا قیمت صرف عمر

پتہ مینجر عصمت و بنات دہلی

Taj Tahir Foundation

انگریزی اور جرمنی کھانے	ترکی اور عربی کھانے	ایرانی اور افغانی کھانے	بنگالی اور بہاری کھانے
کشمیری اور مدراسی کھانے	گجراتی اور پنجابی کھانے	حیدرآبادی اور برارسی کھانے	دلی اور لکھنو کے کھانے
پشاوری اور سندھی کھانے	نفیس نفیس کھانے	لذیذ لذیذ کھانے	غریبوں اور امیروں کے کھانے

سینکڑوں قسم کے کھانے تیار کرنیکی اردو زبان میں بینظیر کتاب

عصمتی دسترخوان (حصہ اول)

جس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہ نکلے گی یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں اسلئے بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست ہندوستان بھر کی تقریباً ۸۰ عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی نے بڑی محنت سے کتاب مرتب فرمائی ہے باورچیخانہ کے انتظام اور کھانوں کے متعلق بھی نہایت قیمتی ہدایات درج کی گئی ہیں ایک ایک چیز کئی کئی قسم کی تیار کرنے کیلئے بھی عصمتی دسترخوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے مثال کے طور پر صرف دو کھانوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیے

پڈنگ کی ترکیبیں		کبابوں کی ترکیبیں			
پلم پڈنگ	انجیر پڈنگ	ران کے کباب	کباب بیضہ مرغ	تاش کباب	
کھوئے کی پڈنگ	انڈے پڈنگ	آلو کے کباب	کچے قیمہ کی ٹکیاں	شامی کباب	
نارنگی بھری پڈنگ	لیمے پڈنگ	کچے آلو کے کباب	گوشت کے میٹھے کباب	آنتوں کے کباب	
جنجر پڈنگ	جلیبیوں کی پڈنگ	ناریل کے کباب	کباب مرغ مسلم	انگریزی کباب	
روز پڈنگ	میوہ دار پڈنگ	مچھلی کے سیخ کباب	سیخ کے چٹ پٹے کباب	اروی کے کباب	
اناس پڈنگ	کشمش پڈنگ	سیخ کے کباب	مچھلی کے شامی کباب	اور کئی کئی قسم کے کباب	

یہ صرف دو چیزوں کی فہرست ہے اسی سے کتاب کا اندازہ کریجئے۔ چاول سلونے اور میٹھے سویاں کھیر فرنی سادے اور ترکاری کے سالن، مچھلی، مرغ جیلی بسکٹ۔ کیک۔ دالیں۔ مٹھائیاں، حلوے، چٹنیاں مربے۔ آچار، سموسے، برٹ۔ پوری کچوریاں۔ پراٹھے روٹی غرض ہر قسم کے شرقی، مغربی کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں! اور ہر چیز کی کئی کئی درجن صحیح ترکیبیں اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے ہندوستان بھر میں اس کی دھوم مچ گئی ہے مقبولیت کی یہ کیفیت ہے کہ سات ماہ میں تین ایڈیشن چھپ چکے ہیں قیمت صرف دو روپے مجلد دو روپے ۶ر

منیجر عصمت دہلی

Taj Tahir Foundation

Taj Tahir Foundation